IQBAL REVIEW (65: 2)
(April – June 2024)
ISSN(p): 0021-0773
ISSN(e): 3006-9130

اقبال بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں

حسنین عباس

معاون ادبیات،

اقبال اکادمی پاکستان

ABSTRACT

The poetic art of a poet and philosophy of a thinker are bound by their intellectual tendencies. Allama Iqbal as a poet, thinker and philosopher is different from other poets and philosophers of the world because he did not allow his personal inclinations and art to prevail over his objectives and the formation of a philosophical system. Allama Iqbal's poetry and philosophy are both enlightened and filled with the presence of the Holy Prophet (PBUH). This is the reason that Allama Iqbal is among the poets and thinkers of the Islamic nation whose poetry and philosophy make the reader feel close to the Holy Prophet (PBUH). Although because of the universality of the message of Allama Iqbal's poetry and the universality of his philosophy, he is also called the poet of the East and the poet of humanity, but in view of the goals of his poetry and philosophy, the most suitable title is Allama Iqbal of Islam. For

Allama Iqbal, Ishq Rasool is not just a religious or spiritual passion, but it is a life-directing force that changes the priorities of a believer's life. The necessary requisite of love for the Messenger of Allah.

Keywords:

اقبال اور محبت رسول، حضور رسالت مآب، روح محمد، بحضور رحمت للعالمین، حضور رسالت

ہر شاعر کا شعری فن اور مفکر کا فکر و فلسفہ اس کے شعری مزاج، افتاد اور فکری رجحانات کا پابند ہوتا ہے۔ علامہ اقبال بطور شاعر اور مفکر و فلسفی دنیا کے دیگر شعراء اور فلسفیوں سے اس لیے مختلف ہیں کہ انہوں نے اپنے ذاتی میلانات اور فن کو اپنے شعری مقاصد پر اور فلسفیانہ نظام کی تشکیل کو فلسفیانہ مقاصد پر غالب نہیں ہونے دیا۔ علامہ اقبال کا شعر و فلسفہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ کی حضوری کے اثرات سے منور اور مملو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال ملت اسلامیہ کے ان شعراء اور مفکرین میں شامل ہیں جن کا شعر اور فلسفہ اپنے قاری کو انجام کار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قربت سے بہرہ ور کرتا ہے۔ اگرچہ علامہ اقبال کی شاعری کے پیغام کی آفاقیت اور ان کے فلسفے کی ہمہ گیری کی وجہ سے انہیں شاعر مشرق تو زمانہ حقیقت اور شاعر انسانیت بھی کہا جاتا ہے لیکن ان کے شعر و فلسفہ کے مقاصد کے پیش نظر سب سے موزوں عنوان جو علامہ اقبال کی شاعری اور بطور شاعر ان کے لیے لیا جا سکتا ہے وہ شاعر رسالت مآب ہے۔ در حقیقت یہ سب کچھ علامہ اقبال کے والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے جیسا کہ علامہ اقبال نے خود بھی ایک جگہ لکھا ہے کہ میں نے اپنا تصور دین اپنے والدین کی تربیت اور ان کی تعلیم کے نتیجے میں بھی طے کیا ہے اور اختیار کیا ہے۔ اپنے علم و فلسفہ کو صرف اس تصور دین کے لیے استدلال فراہم کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔

”رموز بیخودی“ میں علامہ اقبال ایک واقعہ درج کرتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ ایک فقیر نے ان کے دروازے پر آکر بھیک کا سوال کیا تو اسے پر کئی بار اسے جانے کا کہا گیا لیکن وہ سائل دروانے سے نہ ہٹا۔ اقبال اس وقت نوجوان تھے، فقیر کی صدا کے تکرار سے حضرت اقبال کو غصہ آ گیا اور انہوں نے اس فقیر کو دو تین تھپڑ مار دیئے۔ اس سے اس کے پاس جو کچھ تھا سب گر کر زمین پر بکھر گیا۔ ان کے والد شیخ نور محمد کو ان کی اس حرکت پر بہت افسوس ہوا اور ان کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا: روز قیامت کے دن جب بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں غازیانِ اسلام، زہاد، شہداء، علماء، حکماء، صوفیاء اور عاصیانِ شرمسار سر جھکائے کھڑے ہوں گے تو اس مظلوم فقیر کی فریاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہِ التفات کو اپنی طرف متوجہ کر لے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھ سے پوچھیں گے کہ اے نور محمد! ایک مسلمان نوجوان تیرے سپرد کیا گیا تھا کہ تو ہمارے تعلیم کردہ اصولوں کے مطابق کرے اس کی تربیت کرے، لیکن تجھ سے یہ آسان سا کام بھی نہ ہو سکا کہ اس مٹے کے تودے کو انسانیت سکھا کر انسان بنا دیتا۔ اس وقت اپنے آقا و مولا کو میں کیا جواب دوں گا؟ علامہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے نصیحت کی کہ بیٹا! روز قیامت کے اس مجمع اور میری سفید

داڑھی کا خیال کرنا اور دیکھ، میں امید وار خوف سے کیسے کانپ رہا ہوں، اپنے بوڑھے باپ پر اتنا ظلم نہ کر اور خدارا! میرے آقا و مولاؐ کے سامنے مجھے یوں ذلیل وخوار نہ کر۔ تُو تو باغ مصطفویؐ کی ایک کلی ہے، اس لیے اسی باغ کی باد نسیم سے کھل کر پھول بن، اور اسی باغ کی بہار سے رنگ و بو لے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی خوشبو تجھ سے آسکے۔"[۱]

اردو اور فارسی شاعری میں نعت کی صورت میں حضور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ لیکن علامہ اقبال نے اس ذکر کو عشق و محبت، والہیت اور فدائیت اور ملت اسلامیہ کے اجتماعی مسائل کے حل اور عظمت رفتہ کی بازیابی کے ساتھ جس طرح جوڑا ہے اس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حضوری اور حضوری کی کیفیات کے تذکرے کی حامل ایک نظم 'فردوس میں ایک مکالمہ' ہے۔ اس نظم میں علامہ فردوس میں سعدی اور حالی کے ایک مقالمے کا ذکر کرتے ہوئے اختتام اس بات پر کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی کوتاہیاں، غلطیاں دیکھ کر آزردہ اور رنجیدہ ہوتے ہیں لہٰذا ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری طرف سے غلطیوں، کوتاہیوں، دین سے دوری اور کمزوریوں کی خبر حضور تک نہ پہنچے بلکہ آپ تک امت مسلمہ کی عزت، تمکنت، غلبہ، وقار اور دین پر استقامت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کے فروغ کی کاوشوں کی خبر پہنچنی چاہیے۔

یہ ذکر حضورؐ شہ یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز[۲]

علامہ اقبال کی ایک اور نظم 'جنگ یرموک کا ایک واقعہ' بھی اسی طرح کے احساسات اور جذبات کی عکاس نظر آتی ہے جس میں جہاد کے آغاز سے پہلے جب امیر عساکر لشکر سے مخاطب ہوتا ہے اور لشکر سے ہم کلام ہوتا ہے تو شہادت کے جذبے سے سرشار اہل لشکر میں سے ایک نوجوان سے گفتگو کرتے ہوئے امیر عساکر یوں پیغام دیتا ہے گویا شہادت کے جذبے سے سرشار وہ نوجوان عالم آخرت ہی کی طرف نہیں جارہا بلکہ اس دنیا کو چھوڑ کے براہ راست بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو رہا ہے اور اس نے وہاں جاکر امیر عساکر کا پیغام پہنچانا ہے۔

بولا امیر فوج کہ "وہ نوجواں ہے تو
پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام

پوری کرے خدائے محمدؐ تری مراد
کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام!
پہنچے جو بارگاہ رسول امیںؐ میں تو
کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضورؐ نے"[۳]

تاہم ان کے اردو اور فارسی کلام میں کئی نظمیں براہ راست حضور رسالت مآبؐ کے عنوان کے تحت لکھی گئیں:

۱- بانگ درا میں حضور رسالت مآب میں
۲- ضرب کلیم میں اے روح محمد
۳- رموز بیخودی میں عرض حال مصنف بحضور رحمت للعالمین
۴- پس چہ باید کرد میں در حضور رسالت مآب اور
۵- ارمغان حجاز میں حضور رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہر صاحب ایمان کی یہ قلبی خواہش اور آرزو ہے کہ اسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت اور حضور نصیب ہو۔ علامہ اقبال اس آرزو میں بھی اس لحاظ سے ایک امتیازی شان رکھتے ہیں کہ وہ حضور کی بارگاہ کی حضوری بھی حضور کی منشا کی تکمیل کی حامل دیکھنا چاہتے ہیں۔ امت مسلمہ کے مسائل کے لیے غور وفکر اور ان مسائل کے حل کے لیے کاوشیں جو زندگی بھر علامہ اقبال کا طرہ امتیاز رہا، اسے وہ ایسا سرمایہ سمجھتے ہیں جسے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بطور ہدیہ اور تحفہ پیش کریں۔ یوں لگتا ہے کہ علامہ اقبال کے کشمکش رازی اور سوز وساز رومی میں گزرنے والی راتیں جن کا ظاہراً مقصد ملت اسلامیہ کے زوال کو عروج میں بدلنا تھا حقیقی مقصد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری اور رضاجوئی تھا۔ اپنی نظم 'حضور رسالت مآبؐ میں' میں علامہ اقبال لکھتے ہیں:

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن

نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
فرشتے بزمِ رسالتؐ میں لے گئے مجھ کو
حضورِ آیۂ رحمتؐ میں لے گئے مجھ کو
کہا حضورؐ نے، اے عندلیبِ باغِ حجاز!
کلی کلی ہے تری گرمیِ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوشِ جامِ وِلا ہے دل تیرا
فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز
اڑا جو پستیِ دنیا سے تو سوئے گردوں
سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعتِ پرواز
نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟
"حضورؐ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے، جنّت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں"[۴]

علامہ اقبال نے ملت اسلامیہ کو ایک مریض یا قریب المرگ لاشے سے تشبیہ دی ہے جسے وہ شفایابی کے لیے اٹھائے پھرتے ہیں اور جب کہیں سے انہیں ان امراض کی دوا نہیں ملتی تو وہ اس مریض کو اٹھائے امام بوصیری کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لے آتے ہیں۔ علامہ اقبال ملت اسلامیہ کے الجھے ہوئے اور گردش زدہ مقدر کو ان ظلمتوں سے نکالنے کے

لیے جس مرکز کو نجات دہندہ سمجھتے ہیں وہ بارگاہ رسالت مآبؐ ہی ہے۔ اپنی نظم 'اے روح محمدؐ' میں علامہ اقبال لکھتے ہیں:

شیرازہ ہوا ملّتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذّتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں، وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد
اس کوہ و بیاباں سے حدی خوان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے ![۵]

نعت گوئی کے میدان میں بھی علامہ اقبال نے جس طرح اپنے اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان کی ہے وہ صرف ان کی شیفتگی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلبی وابستگی، محبت اور فدائیت کی مظہر ہی نہیں بلکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانوں اور آپ کے مقام کی رفعتوں کے عرفان کی عکاس بھی ہے۔ علامہ اقبال کے بعض نعتیہ اشعار فنی ہی نہیں معنوی اور عرفانی لحاظ سے بھی اس بلند مقام پر فائز ہیں کہ ان کی نظیر اردو، فارسی اور عربی شاعری میں تلاش کرنا مشکل ہے۔ "رموز بیخودی" میں عرض حال مصنف بحضور رحمت للعالمینؐ میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:

اے ظہور تو شباب زندگی
جلوہ ات تعبیر خواب زندگی
اے زمیں از بارگاہت ارجمند
آسمان از بوسہٴ بامت بلند
شش جہت روشن ز تاب روئے تو
ترک و تاجیک و عرب ہندوے تو

از تو بالا پایۂ ایں کائنات
فقر تو سرمایۂ ایں کائنات
در جہاں شمع حیات افروختی
بندگاں را خواجگی آموختی[6]

ترجمہ:
آپ کی تشریف آوری سے زندگی اپنے شباب کو پہنچی۔ آپ کا ظہور خواب زندگی کی تعبیر ہے (آپ مقصود کائنات ہیں)
اس زمین نے آپ کی بارگاہ کے سبب شرف پایا۔ آسمان نے آپ کی بارگاہ کے بام کو بوسہ دے کر بلند مرتبہ حاصل کیا۔
آپ کے چہرہ مبارک کے نور سے شش جہت روشن ہیں، ترک، تاجیک اور عرب سب آپ کے غلام ہیں۔
اس کائنات کا مرتبہ آپ کی وجہ سے بلند ہوا۔ آپ کا فقر کائنات کی دولت ہے۔
آپ نے جہان میں زندگی کی شمع روشن کی اور غلاموں کو آقائی سکھائی۔

علامہ اقبال نے اپنی زندگی کا مقصد ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت اور آپ کی رضاجوئی کو بنایا۔ اگر ہم حضرت علامہ کی علمی اور عملی جدوجہد کا جائزہ لیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے قرآن حکیم کی تعلیم اور ہدایت کو اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق عام کرنے اور عملاً اسے اختیار کرنے پر زور دیا۔ حضرت علامہ اقبال کو اپنی اس کاوش اور اس کی مؤثریت اور نتیجہ خیزی پر اتنا یقیں ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ عرض کرتے ہیں کہ آقا! اللہ رب العزت نے آپ کو مافی الصدور دیکھنے کی قوت اور طاقت عطا کی ہے اور آپ کی روشنی سے ہی زمانے منور ہو رہے ہیں۔ جہاں آپ پر کائنات کے حقائق اور مافی الصدور کے دقائق کھلے ہوئے ہیں میرا دل بھی آپ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ آپ میرے دل کی کیفیت سے آگاہ ہیں کہ اس میں آپ کی محبت اور قرآن حکیم کی فکر کے علاوہ کوئی اور شے نہیں ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو آپ میری عزت اور میرے افکار کے پردے کو چاک کر دیں کہ دنیا میں میرے افکار کی جو عزت اور وقار قائم ہوا ہے اس کو ختم کر دیں کیونکہ پھر تو میری حیثیت آپ کی امت کے گلستاں میں ایک کانٹے کی سی ہے۔ اور اگر میں نے اپنے شعروں میں قرآن مجید کے موتی پروئے ہیں تو آپ کی بارگاہ میں میری

گزارش ہے کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں میرے لیے دعا فرمادیں کیونکہ آپ کی دعا سے لاشے قابل قدر شے بن جاتی ہے۔ آپ بارگاہ رب العزت میں میرے لیے یہ دعا فرمائیں کہ میرا عمل میرے قول سے بہتر ہو جائے۔ علامہ اقبال اپنی نظم 'رحمۃ للعالمین' میں لکھتے ہیں:

گر دلم آئینۂ بے جوہر است
ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
اے فروغت صبح اعصار و دہور
چشم تو بینندۂ ما فی الصدور
پردۂ ناموس فکرم چاک کن
ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
تنگ کن رخت حیات اندر برم
اہل ملت را نگہدار از شرم
خشک گرداں بادہ در انگور من
زہر ریز اندر مے کافور من
روز محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا
گر در اسرار قرآں سفتہ ام
با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
ایکہ از احسان تو ناکس، کس است
یک دعایت مزد گفتارم بس است
عرض کن پیش خدائے عزوجل
عشق من گردد ہم آغوش عمل
دولت جان حزیں بخشیدۂ

بہرۂ از علم دیں بخشیدۂ
در عمل پایندہ تر گرداں مرا
آب نیسانم گہر گرداں مرا[۷]

ترجمہ:

اگر میرے دل کا آئینہ جوہر کے بغیر ہے اگر میرے اشعار میں قرآن پاک کے علاوہ کچھ اور پوشیدہ ہے۔
آپ کا نور اعصار و دہور (عصر اور دہر کی جمع) کی صبح ہے آپ کی آنکھ پر دلوں کی بات روشن ہے۔
(اگر میں قرآن حکیم کے علاوہ کچھ اور کہہ رہا ہوں) تو آپ میرے فکر کے شرف کا پردہ چاک کر دیجیے اور خیابان (دنیا) کو میرے کانٹے سے پاک کر دیجیے۔
زندگی کے لباس کو مجھ پر تنگ کر دیجیے اور مسلمان کو میری شاعری کی شرم سے محفوظ رکھیے۔
میری کشت ویراں کو سرسبز نہ کیجیے اسے ابر بہار سے بہرہ مند نہ فرمایئے۔
میرے انگور کے اندر جو شراب ہے اسے خشک کر دیجیے میری کافوری شراب کے اندر زہر ڈال دیجیے۔
مجھے قیامت کے روز خوار و رسوا کیجیے یعنی اپنے بوسہ پا سے محروم رکھیے۔
لیکن اگر میں نے اپنی شاعری میں قرآن پاک کے موتی پروئے ہیں اور اگر میں نے مسلمانوں سے حق بات کہی ہے۔
تو اے وہ ذات کہ جس کے احسان سے ناکس کس بن جاتا ہے میرے لیے دعا فرمایئے اور یہ ایک دعا ہی میری ساری گفتار کا اجر ہو گا۔
خدائے عزوجل کے سامنے عرض کیجیے کہ میرا عشق عمل سے ہمکنار ہو۔
آپ نے مجھے غمگسار جاں کی دولت عطا فرمائی ہے۔ آپ نے مجھے علم دین کا وافر حصہ بخشا ہے۔
مجھے عمل میں پائندہ تر کر دیجیے۔ میں بارش کا قطرہ ہوں مجھے گوہر بنا دیجیے۔

"پس چہ باید کرد" میں شامل نظم 'در حضور رسالت مآب' علامہ اقبال کی وہ نظم ہے جس کی وجہ تصنیف بھی انہوں نے ساتھ ہی بیان کی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

شب سہ اپریل ۱۹۳۶ء کہ در دار الاقبال بھوپال بودم سید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ را در خواب دیدم فرمودند کہ از علالت خویش در حضور رسالت مآبؐ عرض کن[۸]

تین اپریل ۱۹۳۶ء کی رات میں "دار الاقبال" بھوپال میں (سو رہا) تھا تو میں نے خواب میں سر سید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ بارگاہ رسالت مآب میں اپنی بیماری کے بارے میں میں عرض کرو۔

علامہ اقبال نے اپنے اس خواب کا ذکر اپنے مکاتیب میں بھی کیا ہے۔ سر سید احمد خاں کے پوتے سر راس مسعود کے نام ۲۹ جولائی ۱۹۳۶ء کے خط میں علامہ اقبال نے لکھا:

ڈیئر مسعود، تمہارا خط ابھی ملا ۳ اپریل کی شب کو جب میں بھوپال میں تھا، میں نے تمہارے دادا کو خواب میں دیکھا۔ مجھ سے فرمایا کہ اپنی علالت کے متعلق حضور رسالت مآب کی خدمت میں عرض کر۔ میں اس وقت بیدار ہو گیا اور کچھ شعر عرضداشت کے طور پر فارسی زبان میں لکھے۔ کل ساٹھ شعر ہوئے۔[9]

اسی طرح ۱۳/ جون ۱۹۳۶ء کو علامہ اقبال نے ایک اور خط میں اپنے اس خواب کا ذکر کیا ہے۔ محمد شریف بقا نے اپنی "اقبال بارگاہ رسالت مآب میں" اس خط کو سید نذیر نیازی کی طرف منسوب کیا ہے اور حوالہ میں ''اقبالنامہ'' درج کیا ہے۔[10] لیکن ''اقبالنامہ'' میں یہ خط پروفیسر محمد الیاس برنی کے نام ہے۔ علامہ اقبال اس خط میں لکھتے ہیں:

"۳/ اپریل کی رات ۳ بجے کے قریب (میں اس شب بھوپال میں تھا) میں نے سر سید علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھتے ہیں تم کب سے بیمار ہو؟ میں نے عرض کیا: دو سال سے اوپر مدت گزر گئی۔ فرمایا: حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرو۔ میری آنکھ اسی وقت کھل گئی اور اس عرضداشت کے چند شعر، جواب طویل ہو گئی ہے، میری زبان پر جاری ہو گئے۔"[11]

اس نظم میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:

گرد تو گردد حریم کائنات
از تو خواہم یک نگاہ التفات
ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی
آہوئے زار و زبون و ناتواں
کس بہ فتراکم نہ بست اندر جہاں
اے پناہ من حریم کوے تو
من بہ امیدی رمیدم سوے تو[12]

ترجمہ:

کائنات آپ کے حریم ناز کا طواف کرتی ہے میں آپ کی ایک نگاہ التفات کا بھکاری ہوں۔
میرا ذکر و فکر و علم و عرفان آپ ہی ہیں میری کشتی بھی آپ ہیں، دریا بھی اور طوفان بھی۔

میں ایک زار زبوں وناتواں آہو ہوں دنیا میں مجھے کسی نے اپنے فتراک میں نہیں باندھا
میں اس امید پر آپ کی طرف دوڑتا چلا آرہا ہوں کہ آپ کے کوچے کے حریم میں مجھے پناہ مل جائے۔

گرچہ کشت عمر من بے حاصل است
چیزکے دارم کہ نام او دل است
دارمش پوشیدہ از چشم جہاں
کز سم شبدیز تو دارد نشاں
بندۂ را کو نخواہد ساز و برگ
زندگانی بے حضور خواجہ مرگ
اے کہ دادی کرد را سوز عرب
بندۂ خود را حضور خود طلب
بندۂ چوں لالہ داغے در جگر
دوستانش از غم او بے خبر
بندۂ اندر جہاں نالاں چوں نے
تفتہ جاں از نغمہ ہاے پے بہ پے
در بیاباں مثل چوب نیم سوز
کارواں بگذشت و من سوزم ہنوز!
اندریں دشت و درے پہناورے
بو کہ آید کاروانے دیگرے
جاں ز مہجوری بنالد در بدن
نالۂ من واے من! اے واے من[۱۳]!

ترجمہ:

اگرچہ میری عمر کی کھیتی بے حاصل ہے مگر میں ایک چھوٹی سی چیز رکھتا ہوں جس کا نام دل ہے

میں نے اسے لوگوں کی نظر سے پنہاں رکھا ہوا ہے۔ کیونکہ اس پر آپ کے اسپ مشکیں کے سم کا نشان موجود ہے۔

یہ بندہ جو دینوی ساز و ساماں کا خواہاں نہیں۔ آقا کی حضوری کے بغیر موت کے مترادف ہے۔

آپ نے کردوں کو عربوں کا سوز عطا فرمایا۔ اپنے اس (ہندی) غلام کو بھی اپنے حضور میں طلب فرمایئے۔

یہ بندہ اپنے جگر میں گل لالہ سا داغ رکھتا ہے۔ اس کے دوست اس کے غم سے بے خبر ہیں۔

یہ بندہ دنیا میں نے کی مانند نالاں رہتا ہے۔ پے بہ پے نغموں نے اس کی جان کو جلا دیا ہے۔

میں بیابان میں پڑی نیم جلی لکڑی کی مانند ہوں۔ کارواں جا چکا ہے اور میں ابھی تک جل رہا ہوں

میں اس وسیع و عریض بیاباں میں پڑا جل رہا ہوں اس امید پر کہ شاید ایک اور کارواں آ جائے۔

میرے بدن میں میری جان ہجر کی وجہ سے فریاد کناں ہے یہ (بے اثر) نالہ افسوس صد افسوس۔

"ارمغان حجاز" میں حضور رسالتؐ کے عنوان کے تحت تیرہ حصوں میں قطعات شامل ہیں:

حصہ اول

شاعر چشم تصور میں مدینہ منورہ کا سفر اختیار کرتا ہے اور سفر کی ساری کیفیات کو یہاں علامہ اقبال نے اس حصے کے اشعار میں بیان کیا ہے۔ شروع میں علامہ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی طرف جانے والا قافلہ تو روانہ ہو چکا لہٰذا اے اقبال تو بھی خیمہ نشینی ترک کر کے اپنے سفر کا آغاز کر۔ چونکہ یہ سفر زندگی کے آخری دور میں شروع کیا گیا ہے سفر کی مشکلات کے پیش نظر عقل، اس سفر کو شروع کرنے میں مانع ہو سکتی ہے لہٰذا علامہ نے اپنی مہار دل کے ہاتھوں میں دے دی ہے اور سفر کی مشکلات سے بچنے اور ان کے لیے دل کے گوشے میں ہی پناہ لی ہے۔ چونکہ یہ سفر دل کے جذبوں کے تحت اور دل کی رہنمائی میں ہو رہا ہے لہٰذا یہاں اسباب اور اسباب کی محتاجی ثانوی حیثیت اختیار کر گئی ہے اور شاعر کے باطن میں اٹھنے والی ہر آواز جرس کارواں بن گئی ہے۔

"الا یا خیمگی خیمہ فروہل
کہ پیش آہنگ بیروں شد ز منزل"
خرد از راندن محمل فرو ماند
زمام خویش دادم در کف دل[۱۴]

ترجمہ:

اے خیمہ نشین (اقبال) خیمہ سے باہر آ، قافلے کا پیش رو منزل سے نکل چکا ہے۔

عقل محمل کو ہانکنے سے عاجز آچکی ہے، (اس لیے) اب میں نے اپنی مہار دل کے ہاتھ میں دے دی ہے۔

حصہ دوم

اس حصے میں بھی عقل اور عشق کی باہمی آویزش کا ذکر کرتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں کہ جو سفر میں نے شروع کیا ہے یہ عشق و مستی کی روشنی میں ہی مکمل ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس راہ پر چلنے والوں کے لیے عقل والوں کی دلیل باوجود ان کی پختہ کاری کے ناکام، غیر مؤثر اور ادھوری ہے۔ اس سفر کے دوران علامہ کہہ رہے ہیں کہ میری بلند ہونے والی نوا کے مقامات بھی اہل عقل کے لیے ناقابل فہم ہیں۔

گناہ عشق و مستی عام کردند
دلیل پختگاں را خام کردند
بآہنگ حجازی می سرایم
نخستین بادہ کاندر جام کردند[۱۵]

ترجمہ:
عشق و مستی کا گناہ عام کر دیا گیا ہے، پختہ کاروں کی دلیل خام ثابت ہوئی۔
میں حجازی لے میں (اس شراب کے) گیت گا رہا ہوں، جو سب سے پہلے جام میں ڈالی گئی (یعنی شراب الست)

حصہ سوم

اس حصے میں بھی مدینہ طیبہ کے سفر کے دوران راستے میں پیش آنے والی عشق و مستی کی کیفیات کو ہی موضوع بنایا گیا ہے۔ علامہ لکھتے ہیں کہ جس عشق و مستی کے جذبے کے تحت میں یہ سفر کر رہا ہوں اس کی تاثیر میرے ظاہر و باطن میں ہی کارفرما نہیں بلکہ میری سواری بھی ان کیفیات سے مست ہے۔ میری اونٹنی ایسے چلتی ہے جیسے اس کے پاؤں کے نیچے ریت نہیں بلکہ ریشم ہو۔ اس کے چلنے کے انداز یہ بتاتے ہیں کہ میری طرح اس کا دل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے سرشار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا رگ و پے آہ صبح گاہی سے پرسوز وار اس کی آنکھوں سے عشق و مستی کے آنسو ٹپک رہے ہیں۔

سحر با ناقہ گفتم نرم تر رو
کہ راکب خستہ و بیمار و پیر است

قدم مستانہ زد چنداں کہ گوئی
بپایش ریگ ایں صحرا حریر است[16]

ترجمہ:
میں نے صبح کے وقت اونٹنی سے کہا کہ ذرا آہستہ چل، تیرا سوار تھکا ماندہ بیمار اور بوڑھا ہے۔ اس نے ایسے مستانہ وار قدم بڑھایا کہ تو کہے، اس صحرا کی ریت اس کے پاوں کے نیچے ریشم ہے۔

حصہ چہارم

علامہ لکھتے ہیں کہ وہ صحرا جو مدینہ طیبہ کے سفر کے دوران ہمیں راستے میں درپیش ہے بڑا ہی مبارک ہے کیونکہ اس صحرا میں چلنے والے قافلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس کی گرم ریت بھی اپنے اندر اتنی کشش رکھتی ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی پیشانی سجدے میں اس کی گرم ریت پر رکھ دوں تاکہ میری پیشانی پر وہ نشان ثبت ہو جائے جو اللہ کی بندگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا عکاس ہے۔ یہاں علامہ سفر کی نزاکتوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سفر میں ہر قدم احتیاط سے اٹھانے کی ضرورت ہے کیونکہ اس صحرا کا ہر ذرہ صاحب دل ہے اور میری طرح درد سے پر ہے۔

چہ خوش صحرا کہ در وے کارواں ہا
درودے خواند و محمل براند
بہ ریگ گرم او آور سجودے
جبیں را سوز، تا داغے بماند[17]

ترجمہ:
کیا خوب ہے وہ صحرا جس میں قافلے، درود شریف پڑھتے ہوئے سواریاں آگے بڑھا رہے ہیں۔
تو اس کی گرم ریت پر سجدہ کناں ہو کر، اپنی پیشانی جلادے تاکہ اس پر (سجدے کا) نشان باقی رہ جائے

حصہ پنجم

یہاں بھی علامہ اپنے درد و سوز کا ذکر کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں عجمی ہوں، اہل عرب کے نغمے، درد اور سوز سے سرشار ہوتے ہیں لیکن میرے نغموں کا درد و سوز نہ صرف عربی آہنگ سے مختلف ہے بلکہ درد و سوز میں اس سے بھی اتنا بڑھا ہوا ہے کہ صحرا بھی ان نغموں کو سن کے ٹھنڈک

اور سیر ابی محسوس کر رہا ہے اور یہ درد و سوز ایسی آفاقیت رکھتا ہے کہ ہر سینے میں دھڑکنے والا دل اس درد و سوز کو اپنا درد و سوز سمجھتا ہے۔

امیر کارواں! آں اعجمی کیست
سرود او بہ آہنگ عرب نیست
زند آں نغمہ کز سیر ابی او
خنک دل در بیابانی تواں زیست[۱۸]

ترجمہ:
اے قافلہ سالار! یہ عجمی کون ہے، (اقبال اپنی طرف اشارہ کر رہے ہیں) کہ جس کے نغموں کی لے عربی آہنگ سے مطابقت نہیں رکھتی۔
اس نے ایسا نغمہ گایا ہے جس کی سیر ابی سے، صحرا میں بھی دل کی ٹھنڈک سے زندگی بسر کی جا سکتی ہے۔

حصہ ششم

علامہ لکھتے ہیں کہ ہجر رسول میں میرا دل جس غم اور فراق کی آگ میں جل رہا ہے وہ زبان پر لانے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرے احوال و واردات اس غم کو خود بخود ہی ظاہر کر رہے ہیں۔ بہار کے موسم میں اگرچہ میرے احباب سبزہ زاروں، لالہ زاروں اور باغ و بہار کے مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لیے نکل پڑے ہیں لیکن میرے لیے یہ سارے منظر اس لیے کسی کشش کے حامل نہیں کیونکہ میرا دل اپنے محبوب کے فراق میں گھل رہا ہے لہٰذا ان انجمنوں کی بجائے مجھے تنہائی اور خلوت ہی پسند ہے۔

غم پنہاں کہ بے گفتن عیان است
چو آید بر زباں یک داستان است
رہے پر پیچ و راہی خستہ و زار
چراغش مردہ و شب درمیان است[۱۹]

ترجمہ:
میرا پوشیدہ غم جو بغیر کہے ظاہر ہے، اسے جب زبان پر لایا جاتا ہے تو وہ ایک (طویل) داستان بن جاتا ہے۔
راستہ پیچ دار ہے اور مسافر تھکا ماندہ اور بیمار، اس کا چراغ بجھا ہوا ہے اور اسے رات کی تاریکی کا سامنا ہے۔

حصہ ہفتم

علامہ اقبال کا ہجر و فراق اور وصل کا معروف تصور اس حصے کے اشعار میں نمایاں ہے۔ علامہ وصل کو مرگ آرزو اور ہجر و فراق کو شدت وحیات آرزو کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اسی لیے کہتے ہیں کہ میں جس درد و سوز کی کیفیت سے گزر رہا ہوں اگرچہ عرب کی لے سے تو نا آشنا ہوں مگر میرے درد و سوز کی کیفیت عراقی اور جامی کے ان اشعار سے نمایاں ہے جو میں ہر لمحے اور ہر آن گنگنا رہا ہوں۔ اے سارباں! لمبا راستہ اختیار کر تا کہ میری آہ و فغاں کا جنوں بڑھ جائے اور میرے ہجر و فراق اور جدائی کا سوز مزید نمایاں ہو جائے۔

گہے شعر عراقی را بخوانم
گہے جامی زند آتش بجانم
ندانم گرچہ آہنگ عرب را
شریک نغمہ ہاے سار بانم[۲۰]

ترجمہ:
کبھی میں عراقی کے شعر پڑھتا ہوں، اور کبھی جامی (کا کلام) میری جان میں آگ لگا دیتا ہے۔
اگرچہ میں عرب کی لے سے نا آشنا ہوں، لیکن ساربان کے نغموں میں شریک ہوں۔ (تصور میں اپنے سفر مدینہ منورہ کا نقشہ کھینچا ہے)

حصہ ہشتم

علامہ اقبال چشم تصور میں روضہ مبارک پر پہنچ چکے ہیں۔ یہاں بیان کیے گئے احوال و واردات حضوری کی کیفیات کے حامل ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں: اے میرے دوست! آؤ ہم سب مل کر آنسو بہاتے ہیں کیونکہ ہم سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شان جمال کے شہید ہیں۔ ہماری معراج یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک پر ملیں اور آپ کے قدمین شریفین کا اپنی آنکھوں سے بوسہ لیں۔ کسی بھی انسان کی خوش نصیبی اور مقدر کی بلندی یہ ہے کہ اس کے لیے بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باز یابی کا دروازہ کھول دیا جائے۔

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم
من و تو کشتۂ شان جمالیم

دو حرفے بر مراد دل بگوئیم
بپائے خواجہ چشماں را بمالیم[۲۱]

ترجمہ:
(اب شاعر چشم تصور میں روضہ مبارک پر پہنچ چکا ہے) اے دوست! آ ہم اکٹھے مل کر آنسو بہائیں، کیونکہ میں اور تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان جمالی کے شہید ہیں۔
اپنے دل کی مراد کے مطابق دو حرف عرض کریں، آقا کے پائے مبارک پر اپنی آنکھیں ملیں۔

حصہ نہم

اس حصے میں حضرت علامہ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کے بعد امت کے احوال حضورؐ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ علامہ لکھتے ہیں: یارسول اللہ! آج کا مسلمان زوال کا شکار ہے کبھی جس کی فقیری کج کلاہی کی مظہر تھی آج اس کا سینہ درد و سوز سے خالی ہو چکا۔ جس کی وجہ سے وہ ظاہری عزت وتمکنت سے بھی محروم ہو گیا ہے۔ اسے اس تاریکی سے آپ کی نگاہ کرم ہی نکال سکتی ہے۔ ہندوستانی مسلمان غلامی کی اس رات میں مبتلا ہیں جس میں سورج کے طلوع ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ یارسول اللہ! ہماری طرف نگاہ کرم فرمائیں کہ آج اس زمین پر ہم سے زیادہ بدحال کوئی نہیں ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے دو سو سالہ زوال کی سرگزشت کے بارے میں اتنا ہی عرض کر دوں کہ ان کے احوال دیکھ کر میرا دل کندہ قصاب کی مانند بن چکا ہے۔ ہم اسیر اور مسکین بن کر آپ کی بارگاہ میں آئے ہیں اور مسکینوں اور اسیروں کو کچھ عطا کیے بغیر دروازے سے نہیں ٹالا جاتا۔

مسلماں آں فقیر کج کلاہے
رمید از سینۂ او سوز آہے
دلش نالد! چرا نالد؟ نداند
نگاہے یا رسول اللہ نگاہے[۲۲]

ترجمہ:
وہ مسلمان جس کی فقیری میں شان کج کلاہی تھی، اس کا سینہ سوز آہ وفغاں سے خالی ہو چکا ہے۔
اس کا دل رو رہا ہے کیوں رو رہا ہے؟ نہیں جانتا نگاہے یارسول اللہ! نگاہے!

حصہ دہم

اس حصے میں بھی علامہ اقبال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ملت اسلامیہ کے زار و زبوں حالی کے بارے میں ہی کلام کر رہے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ مسلمان زندگی سے بیگانہ ہو چکا وہ ایک ایسا گنہگار ہے جو مرنے سے پہلے ہی قبر میں پہنچ چکا ہے۔ اس کا نکیر کلیسا اور اس کا منکر مندر ہے یعنی دنیا ہی نہیں آخرت کے حوالے سے بھی آج کا مسلمان یا تو مغرب کے افکار سے متاثر ہے یا ہندوانہ رسم و رواج کا عادی ہو چکا ہے۔ آج کے مسلمان کا جسم مضبوط لیکن خودی کمزور ہے۔ آج کا مسلمان اس برے حال کو پہنچ چکا ہے زمین ہی نہیں آسمان بھی اس کا مخالف ہے۔ آپ نے اس پرندے کی پرورش انجیر سے کی تھی لیکن یہ اپنی زندگی کے لیے قوت لایموت فراہم کرنے سے بھی آج عاجز آ چکا ہے۔ شیخ اور صاحب منبر و محراب جس نے اس کے تن مردہ میں روح پھونکنی تھی اس کا سارا سرمایہ وہ پرانے قصے کہانیاں ہیں جن کی نہ کوئی اصل ہے نہ ان میں سامان ایمان و یقیں۔ بلکہ اس کے پاس سوائے ظن و تخمین کے کچھ بھی نہیں۔ یا رسول اللہ! میں اس امت کے مردہ لاشے کو حیات نو سے سرفراز کرنے کے لیے آپ کی بارگاہ میں لے آیا ہوں کیونکہ رات میں اللہ کی بارگاہ میں رویا کہ مسلمان کیوں زار و خوار ہیں۔ مجھے جواب یہ ملا اس کا سبب یہ ہے کہ یہ ایک ایسی قوم ہے جس کے پاس دل تو ہے لیکن اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب بنا کے اپنے دل کو آباد نہیں کیا بلکہ اس کو ویرانے میں بدل دیا ہے۔ یا رسول اللہ! اس فقیر راہ نشین کو سوز اور ضمیر آتشیں فرمائیے اور اس کے دل کو امید سے روشن کیجیے تا کہ اسے محکم ایمان کی طاقت نصیب ہو جائے۔

عروس زندگی در خلوتش غیر
کہ دارد در مقام نیستی سیر
گنہگاریست پیش از مرگ در قبر
نکیرش از کلیسا، منکر از دَیر [۲۳]

ترجمہ:

زندگی کی دلہن اس کی خلوت گاہ میں اجنبی ہے، (وہ زندگی سے لطف نہیں اٹھا رہا) کیونکہ وہ نیستی کے مقام کی سیر میں مصروف ہے۔

وہ ایسا گنہگار ہے جو موت سے پہلے ہی قبر میں پہنچ چکا ہے، اس کے نکیر کلیسا سے ہیں اور منکر مندر سے۔ (منکر نکیر قبر میں آ کر سوال کرتے ہیں)

ارمغان حجاز کے حصے "حضور رسالتمآب میں" میں شامل کیے گئے اشعار تیرا حصوں میں تقسیم کیے گئے ہیں۔ لیکن یہ نقطہ قابل غور ہے کہ علامہ اقبال کی تمام مطبوعہ فارسی کلیات میں جب ان تیرا حصوں کی الگ الگ نشاندہی کی گئی تو حصہ یازدہم اور حصہ دوازدہم کا کوئی تعین ہمیں کسی کلیات میں نہیں ملتا۔ علامہ اقبال کے اپنے دور میں شائع ہونے والی کلیات، اقبال اکادمی پاکستان کی مطبوعہ کتابت امیر فلسفی والی کلیات، اقبال اکادمی ہی کی اس کے بعد مطبوعہ کلیات اور شیخ غلام علی کی مطبوعہ کلیات کسی میں بھی اس کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ لہٰذا زیر نظر مقالے میں اشعار کی داخلی اور معنوی وحدت کو پیش نظر رکھتے ہوئے گیارہویں اور بارہویں حصہ کا تعین کیا گیا ہے جو درج ذیل ہے:

حصہ یازدہم

اس حصے میں علامہ فرماتے ہیں کہ میرا درد و سوز مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں جلوت کی بجائے خلوت، تنہائی اور آہ و فغاں پسند کروں۔ اسی لیے میری تسکین مکتب میں نہیں میخانے میں ہے، دنیا کے علوم میں نہیں بارگاہ نبوت میں ہے اور میں تنہا ہی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوں۔ یارسول اللہ! میں نے جو کچھ اپنے کلام میں امت مسلمہ کے لیے لکھا یہ لوگ اس تک نہیں پہنچے۔ انہوں نے میرے بوئے ہوئے درخت یعنی میرے کلام سے معنی کا پھل نہیں کھایا۔ مجھے آپ کی بارگاہ سے داد و تحسین چاہیے کیونکہ میری قوم نے تو مجھے صرف غزل خواں ہی سمجھا ہے۔ آپ کا حکم یہ تھا کہ میں ان مردہ دلوں کے کانوں میں زندگی کا اور حیات جاوداں کا پیغام پھونکوں مگر یہ سب مجھے اس پیغام کو سمجھنے اور مجھ سے حیات افروزی کی آگ اور روشنی لینے کی بجائے یہ کہتے ہیں کہ میں فلاں فلاں کی تاریخ وفات لکھ دوں۔ میں نے مسلمانوں کو خودی کا درس دے کر ان کے مٹی کے جسم میں زمزم کا چشمہ جاری کر دیا ہے لیکن قوم کی حالت یہ ہے کہ ان میں سانس ہی باقی ہے وہ بھی ایسے جیسے بجھتی ہوئی آگ کا دھواں، آپ کا دست کرم ہی اسے دوبارہ زندگی دے سکتا ہے۔ یارسول اللہ! آپ کا عشق ہمارا سرمایہ ہے۔ ہم اگر مکہ مکرمہ گئے تو آپ کے حکم پر ورنہ ہماری منزل صرف آپ ہیں۔ میں نے مغرب کی درسگاہوں میں بھی پڑھا لیکن وہ سب کچھ صرف درد سر ہے۔ مجھے صرف آپ کی نگاہ کا فیض چاہیے۔ نہ ملا، نہ صوفی میری امیدوں کا مرکز ہیں آپ کی بارگاہ میں میری التجا ہے کہ میرے دل کی تختی پر اللہ اس طرح رقم فرمادیں کہ میں اپنے آپ کو بھی پہچان لوں اور ذات حق کی معرفت بھی حاصل کر لوں۔ میری آنکھ کی نگاہ میرے قلب کا نور لا الہ آپ کی بدولت ہے۔ مجھے اپنے دیدار کی دولت سے مشرف فرمائیں تاکہ میری رات صبح سے بدل جائے۔

مرا تنہائی و آہ و فغاں بہ
سوئے یثرب سفر بے کارواں بہ
کجا مکتب، کجا میخانۂ شوق!
تو خود فرما مرا ایں بہ، کہ آں بہ؟[۲۴]

ترجمہ:
مجھے تنہائی اور آہ وفغاں ہی راس آتی ہے، مجھے مدینہ طیبہ کی جانب بغیر کارواں کے سفر کرنا پسند ہے۔
کہاں مکتب (درس علوم) اور کہاں عشق (رسول پاک) کا میخانہ، آپ ہی فرمائیں: میرے لیے یہ بہتر ہے یا وہ؟

حصہ دوازدہم

بارگاہ نبوت میں اپنی التجا پیش کرتے ہوئے اب علامہ اپنے احوال وواردات اور ملت اسلامیہ کی زبوں حالی کو بیان کرنے کے بعد اپنی گزارشات میں ایک نئی بات کا اضافہ کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ علامہ فرماتے ہیں کہ یارسول اللہ! آپ کی محبت نے مجھے وہ آہ وفغاں سکھائی ہے جو پتھر سے بھی چشمے جاری کر سکتی ہے۔ میری التجا یہ ہے کہ درد و سوز صرف مجھ تک ہی محدود نہ رہے بلکہ میری اولاد میں بھی منتقل ہو اور جاوید بھی آپ کے عشق کی روشنی سے منور ہو جائے۔ آج کے دور کے فتنے بالخصوص کج کلاہ حسینوں کے فریب میری امت کے نوجوانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ آپ کی نگاہ کرم ہی انہیں اہل کفر کی تزویراتی ہتھکنڈوں اور پھندوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ یارسول اللہ! مسلمانوں کی دستگیری فرمایئے کہ ان کا دل آپ کی محبت اور ایمان کی طاقت سے منور رہے۔

ز شوق آموختم آں ہاؤ و ہوے
کہ از سنگے کشاید آب جوے
ہمیں یک آرزو دارم کہ جاوید
ز عشق تو بگیرد رنگ و بوے[۲۵]

ترجمہ:
مجھے شوق محبت نے وہ ہاو ہو سکھادی، جو پتھر سے چشمہ جاری کر دیتی ہے۔
اب میری صرف یہی ایک آرزو ہے کہ جاوید کو آپ کے عشق کی چاشنی نصیب ہو۔

حصہ سیز دہم

اس حصے میں علامہ مسلم دنیا کے حکمرانوں کو بھی خطاب کرتے ہیں۔ بطور استعارہ علامہ نے اس حصے کے پہلے قطعے میں عبدالعزیز ابن سعود کا ذکر کیا ہے اور اسے دعوت دی ہے کہ اگر وہ حقیقی معنوں میں مسلم حکمران بننا چاہتا ہے تو اپنے دل کو عشق رسولؐ سے اسی طرح منور کرے جس طرح میرا دل منور ہے اور حضورؐ کی محبت کے تذکروں کو کفر اور شرک کے عنوان نہ دے۔ علامہ فرماتے ہیں: اے عبدالعزیز! میں حضورؐ کی بارگاہ میں سجدے نہیں کر رہا بلکہ اپنے محبوب کے در کی خاک اپنی پلکوں سے صاف کر رہا ہوں۔ اے عبدالعزیز! اگرچہ تو حجاز کا حکمران ہے لیکن میں بھی اپنے دل کی دنیا کی ولایت کا بادشاہ ہوں۔ اے عبدالعزیز! ہماری بقا اسی میں ہے کہ ہم اپنے ظاہر و باطن کو حضورؐ کی محبت سے منور کریں۔ فرنگی بتوں سے لاتعلق ہو جائیں کیونکہ فرنگیوں کے سارے عہد و پیماں ایک جوش سے بھی زیادہ قیمت نہیں رکھتے۔

تو ہم آں مے بگیر از ساغر دوست
کہ باشی تا ابد اندر بر دوست
سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں
بروبم از مژہ خاک در دوست[۲۶]

ترجمہ:

اے عبدالعزیز (ابن سعود)! تو بھی ساغر دوست سے وہ شراب عشق پی، تاکہ تو ہمیشہ محبوب کے پہلو میں رہے۔

میں یہاں سجدہ نہیں کر رہا، بلکہ در دوست کی خاک اپنی پلکوں سے صاف کر رہا ہوں۔

"رموز بے خودی" میں 'عرض حال مصنف بحضور رحمت للعالمین' میں علامہ اقبال کے یہ اشعار بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ان کی حضوری کو ایک ابدی حقیقت کے طور پر پیش کرتے ہیں:

کوکبم را دیدۂ بیدار بخش
مرقدے در سایۂ دیوار بخش

تا بیاساید دل بیتاب من
بستگی پیدا کند سیماب من
با فلک گویم کہ آرامم نگر
دیدۂ آغازم، انجامم نگر[27]

ترجمہ:
میری قسمت کے ستارے کو بھی دیدہ بیدار عطا فرمایئے (میری قسمت بھی چمک اٹھے) اپنی دیوار کے سایے میں مجھے مرقد نصیب فرمایئے۔
تاکہ میرے دل بیتاب کو سکون نصیب ہو اور میرا دل جو سیماب کی طرح مضطرب ہے اسے قرار آجائے۔
اور میں فلک سے کہہ سکوں کہ میری آخری آرام گاہ دیکھ تو نے میرا آغاز بھی دیکھا تھا اب میرا انجام بھی دیکھ۔

علامہ اقبال کے فارسی اور اردو کلام سے منتخب حصوں کا یہ مطالعہ جہاں ہمیں علامہ اقبال کے عشق رسولؐ سے آشنا کرتا ہے وہاں علامہ اقبال کی شخصیت اور ان کے فکری حوالے سے اس پہلو کو بھی نمایاں کرتا ہے کہ علامہ اقبال کے ہاں عشق رسولؐ صرف ایک دینی یا روحانی جذبہ نہیں ہے بلکہ زندگی کی سمت متعین کرنے والی ایسی قوت ہے جو ایک صاحب ایمان کی زندگی کی ترجیحات کو بدل دیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا لازمی نتیجہ اور تقاضا ملت اسلامیہ کے لیے عزت، وقار کی بحالی، اسلام کے غالب اور اس کے اس بہ تمکنت منصب کی آرزو ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ کی جدوجہد کے پیش نظر تھا۔

***

حوالہ جات وحواشی

[1]۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، سنگ میل پبلیشرز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص۸۷۸ – ۸۸۔

[2]۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص۲۷۵

۳ کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص۲۷۷

۴۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو، ۲۰۱۸ء، ص ۲۲۴

۵۔ ایضاً، ص ۵۶۱

۶۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۶۶

۷۔ ایضاً، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۶۸

۸۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص ۸۴۴

۹۔ صبا لکھنوی، اقبال اور بھوپال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع سوم، ۲۰۰۰ء، ص ۲۱۴

۱۰۔ محمد شریف بقا، اقبال بارگاہ رسالت مآب میں، البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۱۵۷

۱۱۔ شیخ عطاء اللہ، اقبال نامہ- مجموعہ مکاتیب، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع دوم، ۲۰۱۲ء، ص ۳۰۵، ۳۰۶

۱۲۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص ۸۴۶

۱۳۔ ایضاً، ص ۸۴۸

۱۴۔ ایضاً، ص ۹۰۵

۱۵۔ ایضاً، ص ۹۰۷

۱۶۔ ایضاً، ص ۹۰۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۹۰۸

۱۸۔ ایضاً، ص ۹۰۹

۱۹۔ ایضاً، ص ۹۱۰

۲۰۔ ایضاً، ص ۹۱۰

۲۱۔ ایضاً، ص ۹۱۱

۲۲۔ ایضاً، ص ۹۱۲

۲۳۔ ایضاً، ص۹۱۶

۲۴۔ ایضاً، ص۹۲۴

۲۵۔ ایضاً، ص۹۴۱

۲۶۔ ایضاً، ص۹۴۲

۲۷۔ ایضاً، ص۱۷۰